THE POET OF DIALECTICS

شاعرِ جدلیات

فرانس وہین Francis Wheen

ترجمہ: پروفیسر ظفر علی خان

کارل مارکس کی ''سرمایہ'' یوں تو معاشیاتی تجزیے کی نئی راہ دکھانے والی کتاب ہے لیکن فرانس وہین کہتا ہے کہ یہ ایک ادھورا ادبی شاہکار ہے جس کی کئی پرتوں والی بُنت ہے۔ اسے گوتھک ناول، ہنگامہ خیز وکٹورین ڈرامے، یونانی المیے یا سوفسٹیائی طنزئے کے بطور پڑھا جاسکتا ہے۔

ہفتہ جولائی A، 2006 دی گارڈین

فروری 1857 میں سرمایہ جلد اوّل اپنے پبلشر کو دینے سے تھوڑی دیر پہلے کارل مارکس نے فریڈرک اینگلز کو ترغیب دی کہ وہ ہونورڈی بالزاک کا غیر معروف شاہکار پڑھ ڈالے۔ اس نے کہا ناول کی کہانی ایک چھوٹا سا شاہکار ہے ''نہایت خوش کن طنز سے پُر''، ہمیں پتہ نہیں کہ اینگلز نے تجویز پر توجہ دی یا نہیں۔ اگر اس نے توجہ دی تو یقیناً اس نے وہ طنز تو محسوس کی ہوگی لیکن وہ اپنے پرانے دوست کی اس طنز سے کوئی خوشی حاصل کرنے پر حیران ضرور ہوا ہوگا۔ یہ غیر معروف شاہکار فورینہوفر کی کہانی ہے۔ ایک مصور جو دس سال اپنی ایک تصویر، جو آرٹ میں ''حقیقت کی مکمل ترین نمائندگی'' پیش کرے گی، بناتا اور بار بار بناتا رہا تھا۔ جب بالآخر اس کے ساتھی آرٹسٹوں پوسن اور پوربس کو تکمیل شدہ تصویر کے معائنے کی اجازت ملی تو وہ شکلوں اور رنگوں کے بے ترتیب طوفانی تودے، ایک کے اوپر ایک لشتم پشتم پڑے ہوئے دیکھ کر دہشت زدہ ہو گئے۔ ان کی پھٹی پھٹی آنکھوں کی حیرانی کا غلط مطلب سمجھتے ہوئے فورینہوفر بولا۔ ''آہ آپ ایسی اکملیت کی توقع نہیں رکھتے ہوں گے۔'' لیکن جب اس نے پوسن کو پوربس سے کہتے سنا کہ بالآخر فورینہوفر سچائی جان ہی لے گا کہ تصویر کو اتنی زیادہ دفعہ رنگا گیا ہے کہ کچھ باقی نہیں بچا اور یہ کہ تصویر ضرورت سے زیادہ رنگی گئی ہے۔

ایک کے بعد دوسرے مصور اور پھر اپنی تصویر پر نگاہ ڈالتے ہوئے فورینہوفر نے کہا ''نہیں میرے کینوس پر نہیں،'' پوربس نے سرگوشی میں پوسن سے کہا ''تم نے کیا کیا ہے؟''

بوڑھے آدمی نے درشتی سے جوان آدمی کا بازو پکڑا اور اسے کہا، ''تم وہاں کچھ نہیں دیکھتے! مسخرے، لفنگے، بدمعاش، کتے!'' کیوں؟ پھر تم یہاں کیوں آئے؟'' بوڑھے مصور کی طرف مڑتے ہوئے اس نے کہا ''میرے پیارے پوربس! کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ تم بھی میرا تمسخر اڑا رہے ہو؟ مجھے جواب دو میں تمہارا دوست ہوں مجھے بتاؤ کیا میں نے اپنی تصویر بگاڑ لی ہے؟''

پوربس ہچکچایا۔ اسے بولنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ لیکن بوڑھے کے سفید چہرے پر ہویدا پریشانی ایسی دلگداز تھی کہ اس نے تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''دیکھو!''

فورینہوفر نے اپنی تصویر کی طرف لمحے بھر کے لئے دیکھا اور لڑکھڑا گیا'' کچھ نہیں، کچھ نہیں۔ اور میں دس سال لگا دئے۔''

وہ ایک کرسی پر گر پڑا اور رونے لگا۔

اپنے سٹوڈیو سے دونوں آدمیوں کو نکال کے فورینہوفر اپنی تمام تصاویر جلا دیتا ہے اور خودکشی کر لیتا ہے۔

مارکس کے داماد پال لیفراگ کے مطابق ''بالزک کی کہانی کا اس پر بہت اثر ہوا کیونکہ جزوی طور پر یہ اس کے اپنے احساسات کا بیان تھا۔'' مارکس نے کئی سال اپنے ان دیکھے شاہکار پر محنت کی تھی۔ لمبی مدت تیاری کے عمل میں رہنے پر اگر کوئی کتاب کی ایک جھلک دیکھنے کا سوال کرتا تو مارکس کا جواب فورینہوفر کی طرح کا ہوتا ''نہیں نہیں ابھی میں نے اس میں آخری اضافے کرنے ہیں۔ کل شام کے وقت میں نے سوچا تھا کہ مکمل ہوگئی __ لیکن آج صبح دن چڑھنے تک مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔''

اتنا پہلے کہ 1846 میں جبکہ کہ کتاب کے شائع ہونے میں پہلے ہی دیر ہوگئی تھی، مارکس نے اپنے پبلشر کو لکھا ''اس پر دوبارہ اسلوب اور مواد کے حوالے سے نظر ثانی کئے بغیر میں اسے نہیں چھپواوں گا۔ یہ بات کہنے کی نہیں ہے کہ کوئی مصنف جو مسلسل کام کرتا ہے چھ ماہ بعد وہ سب حرف بحرف شائع نہیں کر سکتا جو اس نے چھ ماہ پہلے لکھا تھا۔'' کتاب بارہ سال بعد بھی تکمیل کے قریب نہ تھی تو مارکس نے تشریح پیش کی ''کام بڑی آہستہ آہستہ چل رہا ہے کیونکہ جیسے ہی آدمی ان موضوعات سے نپٹنے لگتا ہے جن کے مطالعے پر برسوں صرف کئے ہوں وہ نئے رخ ظاہر کرنے لگتے

ہیں اوراس بات کے متقاضی ہوتے ہیں کہ ان پراورغور کیا جائے۔'' وہ اکملیت پسند خبطی تھا۔ ہمیشہ اپنے ذوق کے لئے نئے نئے سامان تلاش کرتا رہتا تھا۔ مثلاً ریاضی کا مطالعہ، اجرم فلکی کی حرکات کے بارے میں جاننا، خودکوروسی پڑھانا تاکہ وہ اس ملک کے نظامِ ارضی کے بارے میں کتابیں پڑھ سکے، وغیرہ وغیرہ۔

یا فوریہنوفر کی بات پھرسنیں، ''افسوس! لمحے بھر کے لئے میں نے سوچا کہ میرا کام ختم ہوگیا ہے لیکن یقیناً تفصیلات میں کچھ غلطی ہوگئی ہے اور میرے ذہن کواس وقت تک سکون نہیں ملے گا جب تک کہ میں اپنے شکوک رفع نہ کرلوں۔ اب میں نے فیصلہ کیا ہے کہ سفر کروں اورنمونوں کی تلاش میں ترکی، یونان اور ایشیا کے مختلف ممالک میں جاؤں تاکہ اپنی تصویر کا فطرت سے اس کی مختلف شکلوں میں موازنہ کرسکوں۔''

مارکس نے بالزاک کی اس کہانی کواسی وقت کیوں یاد کیا جب کہ وہ اپنے عظیم ترین تصنیف کو عوامی معائنے کے لئے بے نقاب کرنے کی تیاری کررہا تھا؟۔ کیا اسے بھی خوف لاحق تھا کہ کہیں اس نے بھی بے فائدہ محنت تونہیں کی۔ کہیں اس کی ''حقیقت کی مکمل ترجمانی'' بھی نا قابل فہم تو نہیں ہوگی؟ یقیناً اسے اسی قسم کا خوف تھا۔ مارکس کا کردار تند خوداعتمادی اور پُرعذاب خود تشکیلی کا عجیب امتزاج تھا۔ اوراس نے تنقید کی پیش بندی کرنے کی کوشش دیباچے میں قارئین کوخبردار کرکے کی ''بے شک میں قیاس کرتا ہوں کہ وہ قاری جوکچھ نئی بات جاننے کے لئے تیار ہے (اس لئے) وہ اپنے لئے سوچے گا بھی۔'' لیکن جو بات ہمیں زوردار طریقے سے محسوس ہونی چاہیئے وہ ہے غیر معروف شاہکار کے تخلیق کار سے اس کی مماثلت کیونکہ فوریہنوفر تو ایک فنکار ہے۔ کوئی سیاسی معیشت دان نہیں، نہ ہی کوئی فلسفی، تاریخ دان یا مناظرے باز۔

غیر معروف شاہکار میں سب سے زیادہ ''خوش کن طنز'' جو امریکی مصنف مارشل برمن نے نوٹ کی، وہ ہے بالزاک کا اس تصویر کا بیان، کیونکہ وہ بیسویں صدی کے تجریدی آرٹ کا مکمل بیان ہے۔ اور یہ حقیقت کہ وہ اس بات کو جان نہیں سکتا تھا رومانس کو اور بھی گہرا کردیتی ہے۔ ''نکتہ یہ ہے کہ جہاں ایک عہد انتشار اور بے ربطی دیکھتا ہے وہاں بعد کا یا جدید دور معانی یا حسن دریافت کرسکتا ہے۔'' برمن نے لکھا، ''یوں مارکس کی بعد کی تصنیف کا اختتام پذیر نہ ہونا ہمارے وقت کے ساتھ یوں جڑسکتا ہے کہ انیسویں صدی کی زیادہ ''ختم شد'' تصانیف اتنا نہیں جڑسکتیں۔ ''سرمایہ'' مارکس کی صدی کی اچھی طرح بنائی گئی تصانیف سے کہیں آگے جاکر ''ہمارے دور کی غیر مسلسل جدیدیت تک

پہنچتا ہے''۔

فوریئیہوفر کی طرح مارکس جدیدیت پسند تھا۔ کمیونسٹ مینی فسٹو میں تبدیلی کے عمل کا اس کا مشہور بیان ''ہرٹھوس ہوا میں تحلیل ہو جاتا ہے'' ٹی ایس ایلیٹ کے دکھائے ہوئے کھوکھلے آدمیوں اور غیر حقیقی شہر کی پیش بینی کرتا ہے۔ یا ڈبلیو بی ییٹس کے الفاظ ''چیزیں بکھر کر گرتی ہیں، مرکز انہیں مربوط نہیں رکھ سکتا'' کی پیش قیاسی کرتا ہے۔ جس وقت تک اس نے داس کیپیٹل لکھا وہ روائتی نثر سے پرے ایک زوردار ادبی نثر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ادب اور دیومالا سے آوازیں اور اقتباسات ساتھ ساتھ جڑے ہوئے تھے۔ کارخانے کے انسپکٹروں کی رپورٹوں اور پریوں کی کہانیوں کو عذرا پونڈ کے کینٹوز (قطعوں) یا ٹی ایس ایلیٹ کے 'دی ویسٹ لینڈ' کے انداز میں، داس کیپیٹال اتنا ہی بے ہنگم ہے جتنا سکوئنبرگ اور اتنا ڈراونے خواب جیسا جتنا کافکا۔

مارکس اپنے آپ کو ایک تخلیقی فنکار کے طور پر دیکھتا تھا۔ جدلیات کا شاعر۔ اب میں اپنے کام کے بارے میں تمہیں صاف سچ بتاؤں گا،'' اس نے اینگلز کو جولائی 1865 میں لکھا، ''چاہے ان میں جیسی بھی خامیاں ہوں، میری تحریروں کا مثبت یہ ہے کہ وہ ایک فنی کُل ہیں''۔ لوگوں کے مادی محرکات اور مفادات کی دروں بینی کے لئے وہ شاعروں اور ناول نگاروں کی طرف زیادہ دیکھتا تھا بہ نسبت فلسفیوں اور سیاسی مقالہ نگاروں کے۔ 1868 کے خط میں اس نے بالزاک کی تصنیف سے ایک اور اقتباس ''گاؤں کا پادری'' سے نقل کیا اور اینگلز سے پوچھا کہ کیا وہ اس میں دی گئی تصویر کی تصدیق عملی اقتصادیات کے اپنے علم سے کر سکتا ہے۔

اگر وہ کوئی روائتی اقتصادیاتی مقالہ لکھنا چاہتا تو وہ ایسا کر گزرتا مگر اس کا ارادہ زیادہ بے باک تھا۔ برمن داس کیپیٹل کے مصنف کے بارے میں کہتا ہے وہ ''بیتھوون، گویا، ٹالسٹائے، دوستوفسکی، ابسن نطشے، وین گو جیسے انیسویں صدی کے عظیم اذیت زدہ جنّات میں سے ایک تھا___ یہ لوگ ہمیں پاگل کرتے ہیں جیسا کہ انہوں نے اپنے آپ کو پاگل کیا تھا۔ لیکن ان کی اذیت نے روحانی سرمائے کا بڑا حصہ تخلیق کیا کہ ہم آج بھی اس پر زندہ ہیں۔''

لیکن کتنے لوگ مارکس کو بڑے لکھاریوں اور فنکاروں کی فہرست میں شامل کرنے کے بارے میں سوچیں گے۔ ہمارے آج کے پس جدیدیتی دور میں بھی داس کیپیٹل کے شکستہ اسلوب بیان اور غیر رسمی عدم تسلسل کو غلطی سے ہیئت کا فقدان اور ناقابل فہمیت سمجھتے ہیں۔ کوئی شخص جو بیتھووین گویا یا ٹالسٹائے سے پنجہ آزمائی کرنا چاہے اسے داس کیپیٹل کی پڑھائی سے ''کچھ نیا

سیکھنے'' کے قابل ہونا چاہئے۔ صرف اس لئے نہیں کہ اس کا موضوع آج بھی ہماری زندگیوں پر حاکم ہے۔ جیسا کہ برن مین پوچھتا ہے، ''داس کیپٹیل کیسے ختم ہوسکتا ہے جب کہ سرمایہ (کیپٹیل) جاری وطاری ہے؟'' یہ موزوں ہے کہ مارکس نے اپنا شاہکار انجام کو نہیں پہنچایا۔ صرف جلد اول ہی تھی جو ان کی زندگی میں شائع ہوئی جب کہ دوسری جلدیں اس کی وفات کے بعد دوسروں نے اُن نوٹس اور مسودوں کی بنیاد پر مدوّن کیں جو اس کی تحریروں میں ملیں۔ مارکس کی تصنیف کھلے اختتامیے والی___اس لئے لچکدار ہے۔ ایسے جیسا کہ خود سرمایہ داری نظام ہے۔

گو عام طور پر داس کیپٹیل کو اقتصادیات کی تصنیف گردانا جاتا ہے۔ لیکن مارکس سیاسی اقتصادیات کے مطالعے کی طرف کئی سال فلسفے اور ادب میں بنیادی کام کرنے کے بعد مائل ہوا۔ یہ وہ ذہنی بنیادیں ہیں جو اس منصوبے کی پشتہ بانی کرتی ہیں اور اجنبیت کا اس کا ذاتی تجربہ ہے۔ اس لئے وہ اس اقتصادی نظام کا جو لوگوں کو ایک دوسرے سے اور اس دنیا سے جس کے وہ باسی ہیں اجنبی بنادیتا ہے اس شدت سے تجزیہ کرتا ہے___ایک ایسی دنیا جہاں انسان سرمائے اور اجناس کی جناتی طاقت کے غلام بنالئے گئے ہیں۔

مارکس اپنے لمحہ پیدائش 5 مئی 1818 سے ہی غیر مقلد تھا۔ ایک یہود النسل لڑکا ایک کیتھولک غلبے والے شہر ٹرائر میں، جو کہ ایک پرشین ریاست میں واقع تھا جس کا سرکاری مذہب ایونجلیکل پروٹسٹنزم تھا، پیدا ہوا۔ ہر چند کہ رہائن لینڈ پر فرانس نپولیائی جنگوں میں قابض ہوگیا تھا لیکن اس کی پیدائش سے تین سال پہلے پھر امپیریل پروشیا میں شامل ہوگیا تھا اور ٹرائر کے یہودی ایک قانون کی زد میں آگئے جن کے تحت انہیں پیشہ ورانہ کاموں کی ممانعت تھی۔ کارل کے باپ ہینرک مارکس کو ایک وکیل کے طور پر کام کرنے کے لئے لوتھرازم اختیار کرنا پڑا۔ کارل مارکس کے باپ نے وسیع تر مطالعے کے لئے اس کی حوصلہ افزائی کی۔ لڑکے کا دوسرا ذہنی استاد ہینرک کا دوست بیرن لوڈوگ وون ویسٹفیلن تھا۔ یہ ایک مہذب لبرل سرکاری افسر تھا جس نے کارل کو شاعری اور موسیقی اور اپنی بیٹی جینی (مستقبل کی مسز مارکس) سے روشناس کرایا۔ اکٹھے لمبی سیروں کے دوران بیرن شیکسپیئر اور ہومر سے اقتباسات پڑھ کر سناتا جو اس کا کم سن ساتھی از بر کرلیتا۔ اور پھر بعد میں اپنی تحریروں کو چٹخارے دار بنانے کے لئے استعمال کرتا۔

اپنی بالغ عمر میں مارکس اپنے خاندان کو جب اتوار کی پکنک کے لئے ہمپسٹڈ ہیتھ پر لے جاتا تو وون ویسٹافیلن کے ساتھ اپنی خوشیوں بھری لمبی سیروں کی یاد شیکسپیئر کے مناظر، دانتے اور گوئٹے

کے اقتباسات ڈرامائی انداز میں ادا کرتے ہوئے تازہ کرتا۔کسی سیاسی دشمن کوچت کرنے کے لئے ،خشک متن کوشگفتہ بنانے کے لئے ،مزاح کودوبالا کرنے کے لئے ،کسی جذبے کومعتبر بنانے کے لئے یا کسی بے جان تجریدی اظہار میں زندگی کی روح پھونکنے کے لئے جیسا کہ سرمایہ خودشائلاک کی آواز میں بولتا ہے جس میں وہ فیکٹریوں میں مزدور بچوں کے استحصال کا جواز پیش کرتا ہے۔الغرض ہرموقعے کے لئے کوئی اقتباس ضرور ہوتا۔

محنت کشوں اور فیکٹری انسپکٹروں نے حفظان صحت اور اخلاقی بنیادوں پر احتجاج کیا۔لیکن سرمائے نے جواب دیا۔

میری کرتوت میرے سر۔ میں قانون سے سزا کے لئے اور اپنے بانڈ کی ضبطی کے لئے ملتجی ہوں۔

یہ ثابت کرنے کے لئے کہ زر انتہا کا ہموار کنندہ ہے مارکس ٹائمنز آف ایتھنز سے ایک تقریر کا حوالہ دیتا ہے۔جس میں زر کو''بنی نوع انسان کی سانجھی داشتہ'' کہا گیا ہے۔اور پھر سوفوکلیز کے ایٹگنی سے''پیسہ، پیسہ،نوع انسان کی لعنت جس سے بڑی کوئی لعنت نہیں۔یہی ہے جو شہروں کو تاراج کرتی ہے۔انسانوں کوگھروں سے بے گھر کرتی ہے۔نیک ارادوں والی روح کوبھی جھانسہ دیتی ہےاور بدنامی اور شرمندگی کی راہ پر ڈالتی ہے۔'' گزرے وقتوں کے ماڈلوں اور ذیلی شناختوں والے معیشت دانوں کوڈان کیخوٹے کا مماثل قرار دیا ہے''جس نے اپنے اس غلط تصور کی پاداش میں سزا بھگتی کہ صلیبی مجاہدوں کی غلط کاریاں سوسائٹی کی تمام اقتصادی شکلوں میں روا ہوتی ہیں۔''

مارکس کا سب سے پہلے منتہائے مقصود ادبی تھا۔ برلن یونیورسٹی میں قانون کے طالب علم کے طور پر اس نے شاعری کی ایک کتاب لکھی۔ایک منظوم ڈرامہ لکھا حتیٰ کہ ایک ناول سکورپین اینڈ فلیکس لکھا جو لارنس سٹرن کے موضوع سے انتہائی گریزاں ناول ٹرسٹرام شینڈی سے متاثر ہوکر لکھا۔ان تجربات کے بعد اس نے شکست تسلیم کر لی۔

''اچانک جیسے ایک جادوئی لمس سے اوہ! وہ لمس پہلے پہل تو بکھیر دینے والا دھچکا تھا___ سچی شاعری کی دور افتادہ اقلیم دور پار پریوں کے محل جیسی میری نظر میں آئی اور میری تمام تخلیقات منہدم اور بے مایہ ہوگئیں___ ایک پردہ گر گیا تھا میری تقدس الاقدس تار تار ہوگئی اور نئے خدا فائز کرنے پڑے۔'' ایک قسم کے اعصابی فتور میں مبتلا ہونے پر اس کے ڈاکٹر نے اسے گاؤں میں جا کر لمبے عرصے آرام کرنے کا مشورہ دیا___ جہاں پر بالآخر اس نے بی ڈبلیو ایف ہیگل کی خطرے والی آواز

پر کان دھرا۔ ہیگل جو برلن یونیورسٹی میں فلسفے کا پروفیسر تھا اس کا انتقال حال ہی میں ہوا تھا اور اس کی وراثت (علمی) ہم جماعت طلباء اور لیکچراروں میں سخت وجہ نزاع تھی۔ یونیورسٹی میں ہی مارکس نے ''تمام کتابیں جو میں پڑھتا ہوں'' ''میں نے ان کے اقتباس بنانے کی عادت اختیار کر لی ہے''___ ایسی عادت جو اس نے کبھی ترک نہ کی۔ اس دور کی پڑھی جانے والی کتابوں کی فہرست سے اس کی ذہنی دریافتوں کے احاطے کا پتہ چلتا ہے۔ فلسفہ قانون پر ایک مضمون لکھتے ہوئے اس نے ونکلمان کی ہسٹری آف آرٹ کا تفصیلی مطالعہ کیا۔ اپنے آپ کو اٹالین اور انگریزی پڑھانا شروع کی۔ ٹیسیٹس کی جرمینیا اور ارسطو کی ریٹورک کا ترجمہ کیا۔ فرانس بیکن کا پڑھا، ''خاصا وقت ریمارس پر صرف کیا۔ اور اس کی جانوروں کی فنکارانہ جبلتوں پر کتاب بڑی خوش دلی سے پڑھی''۔ یہ وہی اصطفایئت اور تحقیق کا وہی ہمہ گیر اور اکثر مماسیت کا اسلوب ہے جس نے داس کیپٹیل کو غیر معمولی وسعتِ حوالہ جات دی ہے۔

طالب علم کے طور پر مارکس ٹرسٹرام شینڈی کا فریفتہ تھا۔ اور تیس سال بعد اس نے ایک ایسا موضوع تلاش کر لیا جو اسے اسی ڈھیلے ڈھالے اور غیر مربوط اسلوب کی نقالی کا، جس کی شروعات سٹرن نے کی تھی، موقع فراہم کرے۔

ٹرسٹرام شینڈی کی طرح داس کیپٹیل بھی متناقصضوں مفروضوں، بعیدالفہم تشریحات اور سنکیانہ حماقتوں، ٹوٹے ٹوٹے بیانوں اور حیرت انگیز بوالعجبیوں سے اٹا پڑا ہے۔ اس کے علاوہ وہ سرمایہ داری کے پراسرار اور اکثر الٹے پلٹے منطق سے انصاف کیسے کر سکتا تھا؟۔

''لوگوں کی سرگوشیوں کی یہاں تمہارے لئے کیا اہمیت ہے''؟ ورجل نے دانتے سے پرگیٹری کے کینٹو 5 میں کہا۔ ''میرے پیچھے پیچھے چلتے آؤ اور لوگوں کو باتیں کرنے دو'' کیونکہ مارکس کی رہبری کے لئے کوئی ورجل نہ تھا، اس لئے وہ داس کیپٹیل کی جلد اول کے دیباچے میں اس سطر میں تبدیلی کرتے ہوئے اعلان کرتا ہے کہ وہ دوسروں کے تعصّبات کو کوئی رعایت نہیں دے گا۔ ''اب ہمیشہ کی طرح، عظیم فلورینٹائن کی طرح، میرا بھی وہی کہنا ہے ''اپنی راہ اپناؤ، لوگوں کو باتیں کرنے دو'' شروع ہی سے یہ کتاب پچھلے علاقوں میں اُتران کے طور پر سوچی گئی ہے۔ اور پیچیدہ نظریاتی تجریدات کے دوران بھی اپنے مقام اور حرکت کے واضح شعور کا اظہار کرتی ہے۔

آیئے اس لئے منڈی کے شوروغل والے علاقے کو چھوڑیں، جہاں جو کچھ بھی ہوتا ہے ہر ایک کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔ جہاں ہر چیز کھلی اور قانونی لگتی ہے۔ ہم پیسے کے مالک اور

قوت محنت کے مالک کے پیچھے پیچھے چھپے ہوئے مقام پیداوار میں جائیں گے۔ دہلیز پار کرتے ہوئے گیٹ کے اوپر لکھا ہوا ہے ''کاروبار کے بغیر اندر آنے کی اجازت نہیں ہے''۔ یہاں ہم دریافت کریں گے کہ سرمایہ کس طرح پیداوار کرتا ہے علاوہ ازیں وہ خود کس طرح پیدا کیا جاتا ہے۔ بالآخر ہم قدر زائد بنانے کا راز دریافت کریں گے۔

جیسے وہ اپنی راہ پر آگے بڑھتا ہے ایسے سفر کے ادبی پیش رو یاد کئے جاتے ہیں۔ انگریزی ماچس کی فیکٹریوں کا ذکر کرتے ہوئے جہاں آدھے مزدور بچے ہیں (کچھ کی عمر تو 6 سال ہے) اور حالات کار ایسے خوفناک ہیں کہ ''مزدور طبقے کا سب سے لاچار حصہ، آدھے بھوکے، بیوگان اور اسی طرح کے دیگر لوگ اپنے بچے یہاں جھونکتے ہیں۔''

محنت کا دن 12 سے 14 یا 15 گھنٹے کا، رات کی محنت، کھانے کی وقت کا مقرر نہ ہونا، اور اکثر کھانا بھی کام کی جگہوں پر ہی کھایا جانا۔ اور وہ بھی زہریلا فاسفورس ملا۔ دانتے اس صفت میں پائی جانے والی خوفناکیوں کو اپنے جہنم میں جانے والی بدترین خوفناکیوں سے بھی کم تر پاتا۔

دوسرے تصور کئے گئے جہنم اس کی عملی حقیقت کی تصویر کو اور زیادہ سجاوٹ فراہم کرتے ہیں۔ تمام پیشوں، عمروں اور جنسوں کے متفرق کارکنوں کے ہجوم سے جو ہمارے گرد زیادہ فوریت سے جمع ہو جاتے ہیں بہ نسبت ان مقتولوں کی روحوں کے جو یولیسس کے گرد اکٹھا ہوتی ہیں۔ جن پر ایک اچٹتی ہوئی نظر کام کی زیادتی کے آثار دکھاتی ہے۔

ان کی بغلوں تلے دبی ہوئی نیلی کتابوں سے حوالے کے بغیر۔ آیئے دو اور شکلیں چنیں جن کا نمایاں فرق ثابت کرتا ہے کہ سرمائے کے سامنے تمام انسان ایک سے ہیں: ایک نسوانی ہیت بنانے والا اور ایک لوہا کوٹنے والا۔

میری این واکلے کی کہانی کے بارے میں یہ ایک اشارہ ہے۔ ایک 20 سالہ لڑکی جو ''محض کام کی زیادتی کی بنا پر 26 گھنٹوں سے بھی اوپر مزدوری کرنے کے بعد، پرنسز آف ویلیز کی طرف سے 1863 میں دی جانے والی ایک رقص پارٹی کے مہمانوں کے لئے یعنی نفیس سرپوش بناتے بناتے مر گئی۔ اسے ملازم رکھنے والی ''ایک معزز خاتون جس کا خوش کن نام ایلیسے تھا'' (جیسا کہ مارکس طنزیہ طور پر کہتا ہے) یہ جان کر نا امید ہوئی کہ لڑکی بننے کا نفیس کام پورا کئے بغیر ہی مر گئی۔ داس کیپٹیل کے بڑے حصے میں ڈکنز کا رنگ ہے۔ اور مارکس جس مصنف سے پیار کرتا ہے اسے اکثر واضح اثباتی اشارہ دیتا ہے۔ یہاں مثال کے طور پر وہ کس طرح بورژوی معذرت خوائیوں پر ضرب لگاتا ہے جن کا دعویٰ ہے کہ اس کی ٹیکنالوجی کے خاص استعمالات کی تنقید اسے سماجی ترقی کا دشمن ظاہر کرتی ہے جو مشینری کا بالکل استعمال نہیں چاہتا۔

مشہور زمانہ بل سائیکس کی بالکل یہی دلیل ہے۔

''عدالت کے قاضیو! اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کاروباری مسافر کا گلا کٹ گیا ہے۔ لیکن یہ میری غلطی نہیں ہے۔ یہ چاقو کی غلطی ہے۔ ایسی عارضی بے آرامی کی بنا پر کیا ہم چاقو کا استعمال ختم کر دیں گے؟ کیا یہ سرجری میں اتنا کار آمد نہیں جتنا کہ علم الاعضا میں ہے؟ اور دعوت کی میز پر رضا کارانہ معاون بن جاتا ہے۔ اگر آپ چاقو ختم کر دیں گے، تو آپ ہمیں بربریت کی گہرائیوں میں واپس دھکیل دیں گے۔''

بل سائکس اور لیورٹوسٹ میں ایسی کوئی تقریر نہیں کرتا۔ یہ مارکس کا طنزیہ ارتشاح ہے، ''وہ میرے غلام ہیں''شیلف پر پڑی ہوئی کتابوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بھی وہ کہتا۔ ''اور انہیں میرا حکم بجالانا ہوگا'' اور بلا معاوضہ کام کرنے والی اس طاقت کا کام وہ خام موادفراہم کرنا تھا جواس کی مرضی کے مطابق ڈھالا جاسکتا تھا۔ ''اس کی گفتگو ایک رخ پہ نہیں چلتی بلکہ اتنی متفرق ہوتی ہے جتنی کہ اس کی لائبریری کے شلفوں پر پڑی ہوئی جلدیں۔'' شکاگو ٹربیون کی ایک نمائندہ جس نے 1878 میں مارکس کا انٹرویو کیا تھا لکھا۔ 1976 میں ایس ایس پراور نے 450 صفحوں پر مشتمل مارکس کے ادبی حوالوں پر ایک کتاب لکھی۔ داس کیپٹیل کی جلد اول میں بائبل، شیکسپیئر، گوئٹے، ملٹن، والٹیئر، ہومر، بالزاک، دانتے، سکلر، سوفو کولیس، پلاٹو، تھوسی دائڈیس، زینوفون، ڈیفو، سروانتیز، ڈرائڈن، ہائنے، ورجل، جووینال، ہوریس، تھامس مور، سموئیل ٹیلر سے اقتباسات کے علاوہ ڈراونی کہانیوں سے حوالے، انگریزی رومانوی ناولوں، عوامی منظوم کہانیوں، گیتوں اور چھوٹی بحر کے نغموں، جذباتی ڈراموں، مضحکہ خیز ناٹکوں اساطیر اور کہاوتوں سے حوالے دئے گئے ہیں۔

داس کیپٹیل کا اپنا ادبی مقام کیا ہے؟ مارکس کو پتہ تھا کہ پہلے برتے ہوئے خیالوں سے یہ نہیں جیتا جاسکتا۔ یعنی محض دوسرے لوگوں کے پھولوں کی نمائش سے۔

جلد اول میں وہ ان معشیت دانوں پر طنز کرتا ہے جو''ادبی تاریخی علمیت کے دکھاوے یا بیرونی مواد کے امتزاج سے اپنی سائنسی کمزوری کے احساس اور دوسروں کو وہ مضمون پڑھاتے ہوئے جس کے بارے میں وہ خود محسوس کرتے تھے کہ وہ نہیں جانتے چھپاتے ہیں''۔ دوسرے ایڈیشن کے پس لفظ میں اس خوف کا کہ وہ خود بھی اس غلطی کا مرتکب ہوسکتا ہے دردناک اعتراف کی وضاحت کرتا ہے کہ ''داس کیپٹیل کی ادبی خامیوں کو کوئی مجھ سے زیادہ شدت سے محسوس نہیں کرسکتا۔'' اس کے باوجود بڑی حیرانی کی بات ہے کہ بہت ہی کم لوگوں نے کتاب کو ایک ادب پارہ سمجھا ہے۔ داس کیپٹیل نے لاتعداد تحریروں کو جنم دیا ہے جو مارکس کے نظریہ قدر محنت یا اس کے قانون مختتم شرح منافع پر لکھی گئی ہیں۔ لیکن معدودے چند نقادوں نے ہی مارکس کے اپنے اعلان گروہ مقصد ___ اینگلز کو لکھے گئے بہت سے خطوط میں ___ کہ وہ ایک فن پارہ تخلیق کرنا چاہتا ہے، پر سنجیدہ توجہ کی ہے۔

ایک رکاوٹ، شاید، داس کیپٹیل کی تہ در تہ بنت ہے جس کی ذیلی بندی نہیں ہو پاتی۔ کتاب ایک وسیع گوتھک ناول کے طور پر پڑھی جا سکتی ہے جس کے ہیرو ہی بلا کے غلام بنا لئے جاتے ہیں اور اسی کا لقمہ بنتے ہیں جسے انہوں نے خود تخلیق کیا تھا (''سرمایہ جو دنیا میں آتا ہے سر سے پاؤں تک خون میں لتھڑا ہوا جس کے ہر مسام سے خون پھوٹ رہا ہے'') یا ایک وکٹورین میلوڈرامہ کے طور پر (ہیجانی ناٹک) یا اک سیاہ ظریفئے (Farce) کے طور پر (جس کی ''آسیب جیسی معروضیت'' کی اصل دکھانے سورمائی دکھاوے اور حقیر حقیقت کا فرق واضح کرنے کے لئے مارکس طربیوں کے کلاسیکی طریقوں میں سے ایک برت رہا ہے۔ بہادر سورمے کا زرہ بکتر اتار رہا ہے تاکہ زہر جاموں میں اس چھوٹے اور موٹے آدمی کی اصلیت دکھائے) یا ایک یونانی المیئے کے طور پر (اڈیپس کی طرح، مارکس کے انسانی تاریخ کے بیان میں کردار ایک اٹل جبر کی گرفت میں ہیں جس نے اپنے آپ کو ظاہر کرنا ہے، کردار چاہے کچھ بھی کر لیں'' سی فرینکل 'مارکس اور ہم عصر سائنسی سوچ' میں لکھتا ہے۔

یا شاید یہ ایک طنزیہ یوٹوپیا ہے۔ ہاؤہنمن کے وطن گلیورز ٹریولز میں جہاں ہر منظر خوش کن ہے، جہاں صرف انسان بُرا ہے۔ مارکس کے سرمایہ دارانہ سوسائٹی کے بیان میں، جیسے جوناتھن سوفٹ کے گھوڑوں والی ظاہری جنت، جھوٹی جنت، عام انسانوں کو کم ہمت، اجنبیت زدہ 'یاہو' کے درجے پر گھٹا کے تخلیق کی گئی تھی۔

سرمایہ داری کے خلل پذیر منطق سے انصاف کرنے کے لئے، مارکس کی تحریر طنز سے پُر ہے۔ ایسی طنز جو اکثر عالموں کی نظر سے پچھلے 140 سالوں سے بچی رہی ہے۔ ایک استثنٰی ہے امریکی نقاد ایڈمنڈ ولسن جس نے ''ٹو دی فنلینڈ سٹیشن'' میں جو تاریخ لکھنے اور بنانے سے متعلق ایک مطالعہ ہے (1940) کہ مارکس کی تجریدوں کی قدر (مثلاً) جنسوں کا رقص اول جلول تر چھا ٹانکا۔ قدر کا۔ اولاً ایک طنزیہ ہے۔ جس کے ساتھ ہی موجود ہیں سنجیدہ دستاویزی ثبوت کے ساتھ غمزدگی اور غلاظت والے مناظر جو سرمایہ داری کے قوانین عملی طور پر پیدا کرتے ہیں۔ ویسن داس کیپٹیل کو کلاسیکی اقتصادیات کی مضحکہ خیز نقالی گردانتا ہے۔ اس کے خیال میں داس سے پہلے کسی میں ایسی بلا کی نفسیاتی بصیرت نہیں ہوئی جو اپنے لئے دوسروں سے مفاد حاصل کرنے کے لئے ان پر ٹھونسے گئے درد کے بارے میں انسانی فطرت کی لاتعلقی اور فراموشی کی لامحدود صلاحیت سے واقف ہو۔'' اس موضوع سے نپٹتے ہوئے کارل مارکس طنز کے عظیم ماہرین میں سے ایک بن گیا۔ جوناتھن سوفٹ کے بعد مارکس یقیناً عظیم ترین طنز نگار رہے اور اس کی بہت سی باتیں اس سے مشترک ہیں۔ پھر مارکس کے طنزیہ ادبی مکالمے اور اس کے بورژوائی سوسائٹی کے ''مابعد الطبعیاتی'' بیان میں کیا تعلق ہے؟ اگر وہ سیدھی سادھی کلاسیکی اقتصادیات کی تحریر لکھنی چاہتا تو وہ ایسا کر سکتا تھا۔ اور درحقیقت اس نے ایسا کیا بھی۔ جون 1865 میں اس نے دو لیکچرز دیئے جو بعد میں ''قدر قیمت اور منافع'' کے نام سے شائع بھی ہوئے۔ ان میں اس نے اپنی جنسوں اور محنت سے متعلق تھیوریوں کو مختصر اور بلیغ انداز میں بیان کیا۔

ایک آدمی جو کوئی شے اپنے فوری استعمال کے لئے پیدا کرتا ہے۔ اسے خود صرف کرنے کے لئے وہ ایک شے پیدا کرتا ہے لیکن جنس نہیں ــــــ ایک جنس کی قدر ہوتی ہے کیونکہ یہ سماجی محنت کی تقسیم ہے ـــ قیمت اپنے طور پر کچھ نہیں بلکہ قدر کا پیسوں میں اظہار ہے ـــ جو کام کرتا ہوا آدمی بیچتا ہے وہ بلاواسطہ اس کی محنت نہیں بلکہ قوت محنت ہے، جسے وہ وقتی طور پر سرمایہ دار کے حوالے کرتا ہے۔''

علیٰ ہٰذالقیاس

اقتصادی تجزیئے کے طور پر جو بھی اس کے اچھے یا بُرے نکتے ہوں، لیکن کوئی بھی ذہین بچہ اسے سمجھ سکتا ہے۔ کوئی تفصیلی تشبیہات یا مابعد الطبعیات نہیں۔ کوئی پریشان کن انحرافات یا فلسفیانہ گریز نہیں، کوئی ادبی اضافے نہیں۔ تو پھر داس کیپٹیل، جو اسی موضوع کا احاطہ کرتا ہے، اسلوب میں لے کر مختلف کیوں ہے؟ کیا مارکس ناگہانی طور پر (سادہ) سلیس گوئی کی صلاحیت کھو بیٹھا تھا؟ ظاہر ہے نہیں۔ جس وقت اس نے یہ لیکچر دیئے وہ داس کیپٹیل کی پہلی جلد مکمل کر رہا تھا۔ ایک شہادت ملی ہے کہ قدر، قیمت اور منافع میں معدودے چند تشبیہات میں سے ایک جن کی اجازت اس نے خود کو دی تھی جب وہ اپنے یقین کی تشریح کر رہا تھا کہ منافعے حاصل ہوتے ہیں جنسوں کو ان کی ''حقیقی'' قدر پر بیچنے سے اور نہ کہ جس طرح عام طور پر سوچا جاتا ہے زائد راقم وصول کرنے سے۔'' یہ مبالغہ لگتا ہے کہ زمین سورج کے گرد چکر لگاتی ہے۔ اور یہ کہ پانی دو نہایت آتش گیر گیسوں پر مشتمل ہے۔ سائنسی سچ ہمیشہ متناقضہ ہوتا ہے اگر اسے روزمرہ تجربے سے جانچیں کہ اشیا کی مغالطہ خیز فطرت کو گرفت کرتا ہے۔''

استعارے کا کام ہمیں کسی چیز کو نئے طریقے سے دیکھنے پر راغب کرنا ہے۔ اس شے کی صفات کو کسی دوسری شے کو منتقل کرنے سے شناسا کو اجنبی میں بدلتے ہوئے یا اس کے الٹ۔ لوڈو ویکو سلوا، مارکس کے ایک میکسیکن نقاد نے ''استعارے'' کے اشتقاقی معنی لیتے ہوئے دلیل دی ہے کہ ''کیپٹلزم'' سرمایہ داری خود ایک استعارہ ہے، اجنبیت کا ایسا عمل کہ عامل کو معمول میں بدل دیتا ہے، قدرِ صرف کو قدر تبادلہ میں بدل دیتا ہے۔ انسانی کو غیر انسانی بنا دیتا ہے۔ اس پڑھت میں، مارکس نے داس کیپٹیل میں جو ادبی اسلوب اختیار کیا ہے رنگا رنگ ملمع نہیں ہے جو اقتصادیاتی تشریح کی کھردری سل پر لگایا گیا ہو تو اس پر لگے جام کی طرح صرف یہی وہ موزوں زبان ہے جس میں ''اشیاء کی مغالطہ خیز فطرت'' بیان کی جا سکتی ہے، ایک علمیاتی کارگزاری جو موجود اصناف کی روایات و حدود مثلاً سیاسی اقتصادیات، انسانیاتی سائنس یا تاریخ میں محدود نہیں ہو سکتی۔ مختصراً یہ کہ داس کیپٹیل کلی طور پر اپنی قسم آپ ہے۔ اس دور کی مشابہت والی تصنیف نہ پہلے کبھی ہوئی ہے اور نہ اس کے بعد غالباً یہی وجہ ہے کہ اس سے بالا اصرار اغماض ہوتا گیا ہے یا اسے سمجھا گیا ہے۔

مارکس یقیناً بڑے اذیت زدہ نابغوں میں سے ایک تھا۔

پڑھنے والوں سے

marxists.org کا اردو سیکشن آپ کا بہت شکر گزار ہوگا اگر آپ ہمیں اس کتاب کے مواد اور اس کے ترجمے کے بارے میں اپنی رائے لکھیں۔ اس کے علاوہ بھی اگر آپ کوئی مشورہ دے سکیں تو ہم ممنون ہوں گے۔

اپنی رائے کے لئے درج ذیل پتے پر ای میل کریں:

hasan@marxists.org

اس کے علاوہ اگر آپ اردو یا کسی اور زبان کے سیکشن کے لئے اپنی خدمات رضا کارانہ طور پر پیش کرنا چاہیں تو انسانی علمی ترقی میں آپ کا حصہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے۔